تشکیل معاشرہ میں اسلامی قانون کا کردار!

قاری عبدالرؤف مدنی
اسلامیہ کالج ویونیورسٹی، پشاور

معاشرہ افراد کے مجموعے کا نام ہے اور قانون ایک ایسی ناگزیر ضرورت ہے کہ اس کے بغیر متمدن انسانی معاشرے کا تصور ہی ناممکن ہے۔ اسی قانون کے ذریعہ معاشرے کی شیرازہ بندی ہوتی ہے، حقوق وفرائض کی ادائیگی کا بہترین انتظام کیا جاتا ہے، عدل وانصاف کے تقاضے پورے ہوتے ہیں۔ معاشرے کے افراد جو مختلف شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں، وہ قانون کی بالادستی کو تسلیم کرتے ہوئے ایک نظام کے تحت زندگی گزارتے ہیں، تاکہ ایک دوسرے کے ظلم وجور سے محفوظ رہیں۔ مختصر یہ کہ انسانی فطرت کے تقاضے اس قدر گوناگوں اور اس کی ضروریات اس قدر متنوع ہیں کہ معاشرہ کو ایک قانونی نظام کی بنیاد پر استوار کئے بغیر ان کی تکمیل نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ اگر قانون ابتدائی تعلیم کو جبری قرار دیتا ہے تو اس لئے کہ معاشرہ جاہل نہ رہے، اگر مجرموں کو سزا دیتا ہے تو اس لئے کہ جرائم کا سد باب ہو اور لوگ امن وسکون سے اپنی زندگی گزار سکیں۔ اگر قانون ظلم واستحصال کے خلاف ہے تو اس لئے کہ کمزور کی حق تلفی نہ ہو۔ غرض قانون اور معاشرہ میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔

عقیدہ اور معاشرتی اقدار:

اسلام جس معاشرے کو قائم کرنا چاہتا ہے وہ عقیدۂ توحید پر مبنی ہے، یعنی وہ خونی اور نسبی رشتہ کی بجائے عقیدہ پر زور دیتا ہے۔ اسلام معاشرہ کی تشکیل کے لئے قبائلی کثرت کی جگہ اعتقادی وحدت پر یقین رکھتا ہے، رنگ ونسل کا کوئی امتیاز روا نہیں: ”إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ“۔ (الحجرات:۱۰) ”سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں“۔ چنانچہ اعتقادی وحدت کے بعد اسلامی قانون جس چیز پر زور دیتا ہے، وہ معاشرتی مساوات ہے، سورۂ حجرات میں قرآن پاک صاف صاف اعلان کرتا ہے:

”یَا أَیُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثٰى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ“۔ (الحجرات:۱۳)

ترجمہ:۔”اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تم کو مختلف

قوموں اور مختلف خاندانوں میں تقسیم کیا، تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرسکو۔ بے شک تم میں سے اللہ کے نزدیک وہی مشرف ومکرم ہے جو زیادہ متقی و پرہیزگار ہے''۔

اس آیت کے ذریعہ قاعدہ کلیہ بیان ہورہا ہے کہ کسی شخص کا کسی خاص قبیلہ یا خاندان یا خطہ سے تعلق ہونا کسی فضیلت کا باعث نہیں، اصل چیز تقویٰ ہے۔ چنانچہ اسلامی معاشرے کے چار اجزائے ترکیبی ہیں: ایک یہ کہ اس کائنات کا مقتدر اعلیٰ اللہ کی ذات ہے۔ اور دوسرے یہ کہ انسان اس کا ہمہ وقت بندہ ہے، اس ذات کے سامنے انسان سراپا اطاعت ہے۔ اور تیسرے یہ کہ ایک مکمل نظام فکر وعمل جو اس حاکمیت اور اقتدار اعلیٰ کے زیر اثر بنے۔ اور چوتھے حقوق وفرائض کی ادائیگی میں جزاوسزا کا تصور۔

قرآن میں ذکر ہے: ''فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْراً يَرَهُ، وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ''۔ (الزلزال:۷،۸) اسی طرح سورۂ حم سجدۃ میں ارشاد ہے: ''مَنْ عَمِلَ صَالِحاً فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا''۔ (حم سجدۃ:۴۶) یعنی جس شخص نے نیک عمل کیا، وہ اس کے اپنے نفع کے لئے ہوگا اور جس شخص نے برا عمل کیا، اس کا وبال اُسی کے ذمہ پڑے گا''۔

قانونِ اسلامی کا نظریہ:

وہ تصور جو اسلام معاشرے کی تشکیل کے بارے میں پیش کرتا ہے۔ قانون اسلامی کی طرف نظر ڈالئے، تو اسلامی قانون کا نظریہ مغربی قوانین سے یکسر مختلف ہے۔ مغربی فلاسفہ اور ماہرین قانون اس نظریہ کے حامل نظر آتے ہیں کہ انسانی معاشرہ میں بیک وقت قانون اور اخلاق کے دو معیاری نظام پائے جاتے ہیں، جن کو (Normative Systems) سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس زاویۂ نظر کے تحت یہ دونوں نظام بعض مقامات پر ایک دوسرے سے قریب ہوجاتے ہیں اور بعض مقامات پر ایک دوسرے سے نہ صرف یہ کہ ہم آہنگ نہیں ہو پاتے، بلکہ متضاد دکھائی دیتے ہیں۔ چنانچہ کانٹ (Kant) نے قانون اور اخلاقیات کے فرق کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قانون (External Conduct) یعنی ہمارے خارجی طرز عمل کو واضح کرتا ہے اور اخلاق (Morality) یعنی ہمارے داخلی طرز عمل کو متعین کرتا ہے۔ اسی طرح مشہور انقلابی مفکر کیلسن (Kelson) اخلاقی تصورات کو قانون میں سمو دینے کا سخت مخالف ہے۔ اس کے خیال میں اخلاقیات محض ایک موضوعی (Subjective) چیز ہے، اس لئے اس کو قانون کے سائنسی مطالعہ بحیثیت معروضی حقیقت (Objective Fact) کے تحت شامل نہیں کیا جاسکتا۔ کیلسن کی یہ رائے دراصل قانونِ محض (Pure Law) کے نظریہ پر مبنی ہے، جس کی اصل یہ ہے کہ اخلاق کا قانون سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں۔

اسلامی قانون کا نظریہ اس سے مختلف ہے۔ اسلامی قانون اپنے اندر مذہبی اور اخلاقی نظام سموئے ہوئے ہے، اس لئے اسلامی قانون کا دائرۂ عمل مغربی قوانین کے مقابلہ میں نظریاتی اور عملی دونوں اعتبار سے وسیع تر ہے۔ وہ ایک ایسے ہدایتی اور واجبی (Imperative) عنصر کا مالک

ہے جو اپنی ہیئت ترکیبی اور مزاج میں دنیا کے دوسرے قوانین سے منفرد اور ممتاز ہے۔ وہ افرادِ معاشرہ کے داخلی اور خارجی دونوں پہلوؤں پر یکساں نظر رکھتا ہے۔ شارع علیہ السلام ''إنَّمَا الأعمال بالنيات'' (بخاری) کہہ کر انسان کے خارجی عمل کو اس کی داخلی نیت کے ذریعہ متعین کرتا ہے اور یہ وہ خصوصیت ہے جس میں دنیا کا کوئی دوسرا مذہب اس کا حریف بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

حسنِ معاشرت:

معاشرے کا سب سے چھوٹا یونٹ ایک خاندان ہوتا ہے، جس میں مرد وعورت میاں بیوی کی حیثیت سے شامل ہوتے ہیں۔ اسلامی قانونِ ازدواج ایک ایسا قانون ہے جو قوانینِ تمدن میں سب سے زیادہ اہم اور وسیع الاثر ہے۔ اسلام کا یہ قانون جو سب سے زیادہ معاشرہ پر اثر انداز ہوتا ہے، عدل وتوازن، انصاف ورواداری، اخلاق وعصمت کی محافظت، باہمی محبت ومودت، مقاصدِ نکاح کے حصول، نجاتِ اخروی، مصلحتِ عامہ اور انسانی فطرت کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہے۔ چنانچہ قرآن پاک مرد کو خاندان کا سربراہ قرار دیتا ہے اور ''الرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ'' (النساء:۳۴) ''مرد عورتوں پر قوام ہیں'' اور ''لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ'' (البقرۃ:۲۲۸) کہ ''مردوں کو عورتوں پر مرتبہ حاصل ہے'' کہہ کر یہ حقیقت واشگاف الفاظ میں بیان کررہا ہے کہ خاندانی نظم وضبط، اس کی دیکھ بھال میں مردوں کو اولیت حاصل ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ سب کچھ مرد ہی ہے، بلکہ مرد کو یہ تلقین کی جاری ہے کہ ''وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ'' (البقرۃ:۲۲۸) یعنی ''عورتوں کو بھی (حسن سلوک میں) مردوں پر حق ہے، جیسا کہ مردوں کو ان پر حاصل ہے''۔ مزید صراحت کے طور پر یوں کہا گیا ہے کہ ''عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ'' (النساء:۱۹) یعنی ''عورتوں کے ساتھ ہمیشہ قانونِ شرعیہ کے مطابق نیک سلوک کرو''۔

نفقہ:

انسان طبعاً بخیل واقع ہوا ہے، بعض اوقات اپنے بیوی بچوں پر بھی خرچ کے معاملہ میں اس کی طبیعت میں تنگی پیدا ہوجاتی ہے اور کبھی کبھی وہ مال کو جمع کرنے کی ہوس میں یا آئندہ غربت کے خوف سے اپنے بیوی بچوں کے نفقہ کا برابر خیال نہیں رکھتا، اسی بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

''لِيُنفِقْ ذُوْسَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهِ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللهُ''۔ (الطلاق:۷)

ترجمہ:۔ ''وسعت والے شخص کو چاہئے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جس کی آمدنی کم ہو، اس کو چاہئے کہ اللہ نے اس کو جتنا دیا ہے، اس میں سے خرچ کرے۔

تعددِ ازدواج:

اسلامی قانون ''وَلاَمُتَّخِذِيْ أَخْدَان''۔(المائدة:۵) کہہ کر اعلانیہ یا چوری چھپے ناجائز تعلقات استوار کرنے والوں کو سخت تنبیہ کرتا ہے۔ وہ ایک سے زائد عورتوں سے نکاح کو عدل پر قدرت کی وجہ سے جائز قرار دیتا ہے، مگر ساتھ ہی یہ تاکید بھی کرتا ہے کہ: ''فلاتَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ'' (النساء:۲۹) یعنی ''ایک عورت کی طرف بالکل اس طرح جھک پڑو کہ دوسری عورت گویا معلق رہ جائے''۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا طرزِ عمل اختیار مت کرو کہ وہ اللہ کی قائم کردہ حدود توڑنے پر مجبور ہو۔

طلاق:

خوش اسلوبی سے رہنے سہنے اور ایک دوسرے کی ضروریات کی تکمیل کی تلقین کے بعد اسلامی قانون ایک ایسی صورت کا بھی ذکر کرتا ہے کہ جب زوجین ایک دوسرے کے ساتھ حسن معاشرت جاری نہ رکھ سکیں اور انہیں یہ خدشہ لاحق ہو کہ وہ اللہ کی قائم کردہ حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو ایسی صورت میں ''فَابْعَثُوْا حَكَماً مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَماً مِّنْ أَهْلِهَا''۔ (النساء:۳۵) کہ ایک فیصلہ کرنے والا شوہر کے خاندان سے اور ایک بیوی کے خاندان کا ہو، تاکہ مصالحت کرادی جائے اور اگر مصالحت ممکن نہ ہو تو اس صورت میں خلع اور طلاق وتفریق کے احکام موجود ہیں اور اسلام ایسی کوئی پیچیدگی نہیں چھوڑتا، جس کو عدل کے ساتھ حل نہ کیا گیا ہو۔

حضانۃ یعنی پرورش:

طلاق یا تفریق کی صورت میں نابالغ بچوں کی تربیت وپرورش کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ اسلامی قانون اس کا متوازن حل پیش کرتا ہے کہ لڑکا سات سال کی عمر تک اور لڑکی بالغ ہونے تک اپنی ماں کے پاس رہ سکتی ہے اور باپ ان بچوں کے نان ونفقہ، تعلیم ورہائش وغیرہ کا ذمہ دار ہوگا۔ دراصل اسلام معاشرے کو برائیوں سے پاک کرنا اور نیکیوں سے بھر دینا چاہتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ''من لم يرحم صغيرنا ولم يؤقر كبيرنا فليس منا''۔ کہ ''جس نے اپنے بڑے کی عزت نہیں کی اور جس نے اپنے چھوٹے کے ساتھ شفقت ومہربانی کا برتاؤ نہیں کیا، وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔ یہ ہدایت معاشرہ اور باہمی ربط وسلوک کی ایک محکم بنیاد ہے، تاکہ معاشرہ کے افراد میں ایک دوسرے کے لئے احترام وشفقت موجود ہو اور معاشرہ میں حسنِ اخلاق رواج پائے۔

اسراف:

معاشرے میں زر یا دولت کو کلیدی حیثیت حاصل ہے، اسلامی قانون ''كُلُوْا وَاشْرَبُوْا'' (الاعراف:۳۱) یعنی کھانے پینے کی اجازت دیتا ہے، مگر اسراف سے منع کرتا ہے۔ اسراف کا مفہوم عام طور پر فضول خرچی سے کیا جاتا ہے۔ دراصل اسراف قدر ناشناسی کا دوسرا نام ہے، یعنی ایک معتدل انداز سے

سے زیادہ خرچ کرنا، چنانچہ اگر کسی نے اپنی سفاہت یعنی کم عقلی کے سبب اسراف کا ارتکاب کیا ہو تو اسلامی قانون کے تحت اس کے مالی تصرفات پر پابندی عائد کی جاسکتی ہے۔ یہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے، حنفی مسلک میں اس کی گنجائش نہیں۔

وصیت و میراث:

مالی و معاشرتی امور میں مزید استحکام پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ وصیت و میراث کا اسلامی قانون موجود ہے کہ جس میں ہر مسلمان کو اپنے ترکہ کی ایک تہائی کی حد تک کسی غیر وارث کے حق میں وصیت کرنے کا مُجاز قرار دیا گیا ہے۔ اُس کے بعد تمام ورثاً کے حصے قرآن پاک اور حدیث نبوی ﷺ کے ذریعہ متعین کئے گئے ہیں، تاکہ دولت کے ارتکاز یا غیر منصفانہ تقسیم سے انسانی معاشرہ میں جو مفاسد پیدا ہوسکتے ہیں، اُن کا ازالہ کیا جاسکے اور آپس میں محبت و تعلق کا رشتہ منقطع نہ ہونے پائے۔

پڑوسیوں کے حقوق:

خاندانی زندگی کے لئے معاشرہ کے ایک چھوٹے مگر بنیادی یونٹ سے متعلق اسلامی قوانین کی طرف یہ چند اشارے ہیں۔ گھر یا خاندان سے باہر کسی شخص کا واسطہ اس کے پڑوسی سے پڑے گا۔ پڑوسی کے جو حقوق اسلام بیان کرتا ہے، شاید ہی کسی دوسرے معاشرے میں اس کی نظیر ملے۔ تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ پڑوسی کا حق شفعہ اسلامی قانون کی عمدگی کی ایک واضح مثال ہے۔

حلال روزی:

ایک وسیع معاشرہ کے فرد ہونے کی حیثیت سے انسان کا سب سے پہلا قدم کسب معاش کا ہوتا ہے۔ حلال روزی کمانے پر اسلام اور اس کا قانون بے حد زور دیتا ہے، قرآن واشگاف الفاظ میں اعلان کرتا ہے کہ ”أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا“ (البقرۃ:۲۷۵) کہ ”اللہ نے بیع یعنی خرید وفروخت کو حلال قرار دیا اور سود کو حرام“۔ جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ اپنی قبروں سے حشر کے دن اس طرح اٹھیں گے، جیسے وہ شخص اٹھتا ہے جس کو آسیب نے لپٹ کر دیوانہ بنادیا ہو۔ یہ ایک اہم ترین اقتصادی ضابطہ ہے، جس پر اسلامی معیشت کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

قرض کی ادائیگی:

اسلام قرضوں کی ادائیگی کی طرف بھی متوجہ کرتا ہے۔ اول تو اس بات کی طرف راغب کرتا ہے کہ قرض ہی مت لو، یہ تمہاری اقتصادیات کو گھن کی طرح چاٹ جائے گا۔ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ رات کو بھوکے سوئے رہنا اس سے بہتر ہے کہ جب تم صبح کو اٹھو تو تمہاری گردن پر کسی کا قرض ہو۔ آنحضرت ﷺ اکثر اوقات نماز جنازہ پڑھانے سے پہلے دریافت فرمالیتے تھے کہ میت پر کوئی

قرض تو نہیں؟ مراد یہ تھی کہ اگر ہے تو فوری ادا کر دیا جائے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اگر کسی شخص پر کوئی قرضہ ہے اور وہ اس کو ادا کئے بغیر مرگیا تو یہ قرضہ اس میت اور جنت کے بیچ میں ایک آڑ اور رکاوٹ بن جاتا ہے، اسی لئے اسلامی قانون میں حقوق العباد کی ادائیگی کی طرف خاص توجہ دلائی گئی ہے، حتی کہ سورۂ نساء میں جہاں قرآن پاک میت کے ترکہ کی ورثاً میں تقسیم کا ذکر اور ان کے حصے بیان کرتا ہے، وہاں بار بار یہ پابندی بھی عائد کرتا ہے کہ ورثاً میں ترکہ کی تقسیم سے پہلے اس میں سے میت کے ذمہ واجب الادا قرضے ادا کئے جائیں۔

امانت کی واپسی:

قرضوں کی ادائیگی کی طرح امانتوں کو ان کے حق داروں تک پہنچانے کا بھی حکم ہے: ''إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلٰى أَهْلِهَا ''۔ (النساء: ۵۸) یعنی اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت تک پہنچا دو'' پھر ذکر ہے: ''لَاتَخُونُوا اللهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْا أَمَانَاتِكُمْ'' (الانفال: ۲۷) یعنی ''تم اللہ اور اللہ کے رسول کے ساتھ خیانت مت کرو، اور امانتوں میں بھی خیانت مت کرو'' ایک اور حکم دوسروں کا مال ناحق کھانے کے متعلق ہے کہ ''وَلَاتَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ '' (البقرہ: ۱۸۸) کہ ''آپس کا مال ناجائز طریقوں سے نہ کھاؤ'' اس میں رشوت کے حرام ہونے کی وضاحت ہے۔

ناپ تول:

اسلامی قانون عام تجارتی معاملات میں ''أَوْفُوْا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ '' (الانعام: ۱۵۲) ''ناپ اور تول کو انصاف سے پورا کرو'' اسی طرح قرآن پاک کی سورۂ تطفیف میں فرمایا گیا ہے کہ ان لوگوں کے لئے حسرت و ناکامی ہے جو ناپ تول میں کمی کرتے ہیں، جب وہ لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ یا تول کر دیں تو کم کر دیتے ہیں۔ کیا ان لوگوں کو یقین نہیں کہ وہ مر کر ایک ہولناک دن کے لئے اٹھائے جائیں گے؟ جس دن سارے جہانوں کے مالک کے سامنے اپنے اعمال کا حساب دینے کو کھڑے ہوں گے۔ اسلامی قانون ''أَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ '' (المائدۃ: ۱) کہہ کر معاہدات کی پابندی کرنے پر زور دیتا ہے کہ روزِ قیامت تم سے تمہارے وعدوں کے متعلق پوچھا جائے گا۔

انسان محض معاشی حیوان نہیں:

اسلام، انسان کے لئے محض معاشی حیوان بننا پسند نہیں کرتا جو رات دن اپنی تجوری کو بھرنے میں لگا رہے۔ وہ ''امر بالمعروف '' اور ''نہی عن المنکر '' کو ہر مسلمان کا انفرادی اور اجتماعی فریضہ قرار دیتا ہے۔ ساتھ ہی وہ معاشرہ میں امورِ خیر کی انجام دہی کے لئے یاد دلاتا ہے کہ ان کے مال میں سائل اور محروم کے لئے بھی حق ہے۔ ''وَفِيْ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ '' (الذاریات: ۱۹) ''يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ ''۔ (البقرۃ: ۲۱۹) اے رسول ﷺ! لوگ آپ سے خرچ کے

بارے میں دریافت کرتے ہیں، فرمادیجئے کہ جو تمہاری ضرورت سے زائد ہو، وہ راہ خدا میں خرچ کرو۔ انفاق فی سبیل اللہ کے اس قرآنی حکم کے ساتھ ''لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ '' (آل عمران:۹۲) بھی ارشاد ہو رہا ہے کہ ''اللہ کی راہ میں وہ مال خرچ کرو جو تم کو محبوب ہے''۔ یہاں تفصیلات بیان کرنے کا موقع نہیں، اس قدر عرض کردوں کہ تقریباً ساڑھے پانچ سو آیات قرآن پاک کی ایسی ہیں جو اسلامی قوانین واحکام سے متعلق ہیں اور رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی ہزار ہا احادیث اور آثار موجود ہیں، جنہیں اسلامی معاشرہ کی تشکیل اور اسلامی قانون کے مأخذ کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔

تعزیری قوانین:

اب ذرا تعزیری قوانین کی طرف آیئے! انسان کی صفت جو اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے: ''اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْماً جَهُوْلاً '' (الاحزاب:۷۲) انسان کے ظالم ہونے پر صریح نص ہے۔ وہ معاشرے پر مختلف انداز سے ظلم ڈھاتا ہے۔ ان میں اس کے وہ افعال جو پورے معاشرے کے لئے گندگی اور خرابی اخلاق کا موجب ہوں، تعزیری معاملہ میں ان کی طرف اسلامی قانون اپنی پہلی توجہ مرکوز کرتا ہے، چنانچہ اسلامی فوجداری قانون کے دو حصے ہیں: ایک وہ جرائم اور سزائیں ہیں، جن کا ذکر قرآن پاک میں خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، یا رسول اکرم ﷺ اور خلفاء راشدینؓ سے ثابت ہیں اور دوسری قسم ان جرائم اور سزاؤں کی ہے، جن کے تعین کے لئے حاکم وقت کو آزاد چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ زمانہ کے حالات اور اپنی صوابدید کے موافق جو سزا چاہے اور مناسب سمجھے، مجرموں کو دے، تاکہ معاشرہ سے جرائم کا سدباب ہو۔

جہاں تک ان جرائم اور سزاؤں کا تعلق ہے جو قرآن پاک میں مذکور ہیں، ان میں سرفہرست زنا، چوری، قتل، بغاوت وغیرہ آتے ہیں۔ اسلامی قانون زنا کے جرم کے سلسلے میں بڑا سخت گیر واقع ہوا ہے۔ قرآن سب سے پہلے تو یہ حکم دیتا ہے کہ ''لَاتَقْرَبُوا الزِّنَا'' (الاسراء:۳۲) یعنی ''زنا کے قریب ہی نہ بھٹکو'' اور اگر کوئی اس حکم کے باوجود اس حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے تو حکم دیتا ہے:

> ''اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَامِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَاتَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ''۔ (النور:۲)
>
> ترجمہ:۔ ''جو عورت و مرد زنا کرے تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر یقین رکھتے ہو تو اللہ کے دین کی بات پر عمل کرنے میں ان دونوں سے نرمی نہ برتنا۔ نیز یہ کہ جس وقت ان کو سزا دی جائے تو مسلمانوں کا ایک گروہ موجود ہو، تاکہ وہ ان کا حشر اپنی آنکھوں سے دیکھ کر عبرت پکڑیں''۔

مقام افسوس ہے کہ اس مملکت خداداد پاکستان میں سو کوڑوں کی سزا اور زانی و زانیہ کے ساتھ نرمی

نہ برتنے کے صریح حکم قرآنی کے باوجود تعزیرات پاکستان میں زنا کا جرم آج بھی قابل راضی نامہ ہے۔

اسلامی قانون میں چوری کی سزا ہاتھ کاٹ ڈالنا ہے۔ قرآن کا صاف وصریح حکم ہے: ''اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا''۔ (المائدۃ:۳۸) لیکن ہمارے معاشرے میں چور کی جو سزا ہے، وہ آپ سب کو معلوم ہے۔ اسی طرح قتل کے جرم میں اسلامی قانون میں قصاص یعنی جان کے بدلے جان اور اگر مقتول کے ورثاء راضی ہوجائیں تو دیت یعنی خون بہا کا حکم ہے۔ یہ حقیقت میں اللہ کی طرف سے ایک مہربانی اور آسانی ہے۔ قصاص کا قانون اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ معاشرہ کے افراد آپس کی خون ریزی سے اجتناب کریں۔

اسی طرح جو لوگ رہزنی کا ارتکاب کریں یا بغاوت کے ذریعہ ملک میں فساد مچائیں، ان کی سزا قرآن میں یہ بیان کی گئی ہے کہ ان کو قتل کردیا جائے یا گرفتار کرکے سولی دے دی جائے یا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹ ڈالا جائے یا قید کیا جائے اور ان کو جلاوطن کردیا جائے۔ البتہ اگر وہ توبہ کرلیں تو انہیں معاف کردیا جائے۔ (اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ گرفتار ہونے سے پہلے توبہ کرلیں تو رہزنی کی حد ساقط ہوجاتی ہے، لیکن حقوق مالی واجب رہتے ہیں، نیز اگر کسی کو قتل کیا ہو تو قصاص بھی آتا ہے اور گرفتار ہونے کے بعد توبہ بھی معتبر نہیں ہے) یہ حکم ان کے لئے ہے جو ایک اسلامی حکومت میں فتنہ وفساد کا بازار گرم رکھیں اور مسلمانوں کی جان ومال، آبرو اور خود اسلامی حکومت کے درپے ہوں، جس کو عام اصطلاح میں غداری یا بغاوت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اسلامی قانون دیگر جسمانی سزاؤں کے سلسلے میں عدل اور برابری کا مطالبہ کرتا ہے، چنانچہ ''أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ''۔ (المائدۃ:۴۵) کا قائل ہے، یعنی یہ کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخم کے بدلے اسی جیسا زخم۔

اسلامی قانون شراب نوشی کو حرام قرار دیتا ہے، اس لئے کہ وہ ام الخبائث ہے۔ دوسری اخلاقی خباثتوں کو جنم دیتی ہے اور اس کے لئے خلافت راشدہ میں اسی کوڑوں کی سزا مقرر تھی، لیکن بدقسمتی سے ہمارا قانونِ ملکی اس کو صرف امن وامان کے نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے۔

اسلامی قانون ''إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ''۔ (الاعراف:۳۵) کی تعمیل میں تمام فواحش اور منکرات کو حرام کہتا ہے اور فحاشی، جنسی بے راہروی اور بے حیائی کو قانوناً جرم قرار دیتا ہے۔ یہ ہے اسلامی قانونِ فوجداری کا وہ خلاصہ جو اس کائنات کے پیدا کرنے والے نے جو انسانوں کی اچھی اور بری، کھلی اور چھپی سب باتوں کو جاننے والا ہے، مقرر فرمایا ہے۔ آپ کہیں گے کہ اسلامی قانونِ فوجداری سخت گیر واقع ہوا ہے۔ میں کہوں گا: بے شک اسلامی قانون سخت گیر ہے، وہ معاشرے کو مفاسد سے پاک رکھنا چاہتا ہے اور شخصی ملزم کے حق میں نرم رجحان کے خلاف ہے، جس کے نتائج آپ روزانہ اخباروں میں پڑھتے ہیں۔ جسٹس اے آر کارنیلیس جو پاکستان کے چیف جسٹس رہ چکے

ہیں، جنہیں مغربی قوانین کو جاننے اور برتنے کا اس برصغیر میں تقریباً چالیس سال تک موقع ملا ہے اور جو اسلامی قانون کی برتری اور عظمت کے بھی قائل ہیں، انہوں نے ۲۷/اگست ۱۹۶۵ء کو آسٹریلیا میں وزرائے قانون اور اٹارنی جرنلز کی ایک کانفرنس کے دوران اپنے مقالہ میں فرمایا تھا:

> ''زمانۂ حال کے قانون فوجداری کے ماہرین کے لئے ملزم کی ذات کے تحفظ کا مسئلہ خصوصی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اس ضمن میں ان کی توجہ نئے اور بعید از فہم عذرات کی جانب مرتکز ہے۔ اگر پاکستان میں فوجداری کارروائیوں کا جائزہ لیا جائے تو یہ اثر مرتب ہوتا ہے کہ ہمارے ملک میں ان پر اگر مزید توجہ دی گئی تو ملزموں کو ایک بہتر پوزیشن حاصل ہو جائے گی، جو مفادِ عامہ کی نظر میں خلافِ مصلحت، بلکہ کسی حد تک خطرناک ثابت ہوگا''۔

میں اس ضمن میں اس قدر عرض کروں گا کہ قانون خواہ کتنا ہی اچھا اور عدل وانصاف پر مبنی ہو، اس وقت تک اس کے بہتر اثرات ونتائج مرتب نہیں ہو سکتے، جب تک کہ کسی ملک کے قانون وانصاف کے ادارے اس کارکردگی اور مہارت کے ساتھ اپنے فرائض ادا نہ کریں جو معاشرے کے تحفظ کے لئے ضروری ہے۔ بدقسمتی سے پاکستان میں یہ مسئلہ خاصی اہمیت رکھتا ہے۔ اس سلسلہ میں اسلامی تصور انصاف اور عدل کی خصوصیات رکھتا ہے۔

آخر میں یہ عرض کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ مسلمان معاشرہ جس کی اساس ''لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ'' پر قائم ہے، مختلف بیرونی اثرات اور عوامل کے باوجود یہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا جذبہ ہمارے معاشرے کو آج بھی ایک پلیٹ فارم پر جمع کئے ہوئے ہے۔ میں پورے یقین واعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ موجودہ مسلم معاشرہ کو مجتمع رکھنے والا خدا کا قانون اور اسلامی ضابطہ حیات ہی ہوسکتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں غیر اسلامی قوانین تقدیس کے تصور سے یکسر عاری ہیں، جن کے احترام کے جذبہ سے لوگوں کے دل خالی ہیں۔ یہی وہ چیز ہے جو ایک عرصہ سے مسلم معاشرہ میں انتشار کا باعث بنی ہوئی ہے اور معاشرتی برائیاں گھٹنے کے بجائے روز بروز بڑھ رہی ہیں۔

پچھلی حکومتوں نے اس سلسلہ میں جو اقدامات کئے، وہ ناقص تھے۔ اب بھی وقت ہے کہ ہم اسلامی قوانین اور ضابطۂ حیات کو معاشرہ میں خواہ وہ سیاست ہو یا یا تجارت، تعلیم ہو یا عدالت، اس کو نافذ کردیں، ورنہ مسائل روز بروز الجھتے جائیں گے اور خبر نہیں کہ انجام کیا ہوگا۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: اسلام اور حکومت وریاست دو جڑواں بھائی ہیں، ان میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر درست حالت میں نہیں رہ سکتا۔ اسلام کی مثال ایک بنیاد کی اور حکومت گویا اس کی محافظ ہے۔ جس عمارت کی بنیاد نہ ہو، وہ گر جاتی ہے اور جس کا کوئی نگہبان نہ ہو، وہ لوٹ لیا جاتا ہے۔ اسلامی حکومت کی مثال ایک عمارت کی ہے، جس کی بنیاد اسلام ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس بنیاد کو جیسے بھی ہو، محفوظ رکھا جائے اور یہ ہمارا انفرادی، اجتماعی، اخلاقی، اور مذہبی فریضہ ہے کہ ہم اس کی بقاء اور اقامت کی بھرپور کوشش کریں۔